Presented by: https://jafrilibrary.com/

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

صلحِ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے اسباب

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا دورِ خلافت اور آپؑ کی معاویہ کے ساتھ صلح یا وہ واقعہ جسے صلح کا نام دیا گیا ہے، تاریخ اسلام کے صدرِ اول کے اسلامی انقلاب کے سلسلے میں ایک بےمثال اور تقدیر بدل کر رکھ دینے والا واقعہ ہے۔ ہمارے نزدیک اس واقعہ کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ میں یہاں اس جملے کی مختصر وضاحت کے بعد اصل مطلب کی طرف آؤں گا۔ اسلامی انقلاب، یعنی اسلامی آئیڈیالوجی اور وہ امانت جسے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے نام سے لوگوں کے لیے بھیجا تھا، جو ابتدائی طور پر ایک تحریک تھی یعنی وہ دین جس نے ابتداء میں اپنے آپ کو جہاد اور ایک عظیم انقلابی تحریک کی صورت میں پیش کیا تھا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظّمہ میں اس نظریے کا اعلان کیا تو توحید اور اسلام کے دشمنوں نے اس کے مقابلے میں صف آرائی کی، تاکہ اس فکر کو آگے بڑھنے سے روکا جا سکے؛ لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے باوفا اصحاب کی مدد سے اس تحریک کو منظم کیا اور سرزمین مکہ میں ایک عاقلانہ اور قوی تحریک کا آغاز فرمایا اور یہ جدّوجہد اور تحریک تیرہ سال تک مسلسل جاری رہی، یہ اس کا پہلا دور تھا۔

تیرہ سال بعد آپؐ نے اپنی تعلیمات، نعروں، تنظیم سازی اور بےپناہ قربانیوں اور دیگر ذرائع کی مدد سے اس فکر کو ایک حکومت، ایک سیاسی نظام اور ایک اُمت کی زندگی کے اجتماعی نظام میں بدل کر رکھ دیا اور یہ سب اس وقت ہوا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور اس شہر کو اپنی حکومت کا مرکز قرار دیا پھر وہیں سے اسلامی تعلیمات کو عام کرتے رہے اور اسلام ایک تحریک سے نکل کر ایک حکومت میں تبدیل ہو گیا اور یہ اسلام کا دوسرا دور تھا۔

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

یہ سلسلہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دس سالہ دورِ اقتدار اور آپؐ کے بعد چار خلفاء اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے چھ مہینے کے دورِ خلافت تک جاری رہا اور اسلامی نظام ایک حکومت کی صورت میں ظاہر ہوا، جہاں ہر شعبے کے لیے ایک اجتماعی نظام موجود تھا، یعنی حکومتی، فوجی، سیاسی، ثقافتی، عدالتی اور اقتصادی اُمور کے شعبے موجود تھے اور سب ترقی کی راہ پر گامزن تھے اگر اسی رفتار سے یہ نظام آگے بڑھتا چلا جاتا تو پورے عالم پر چھا جاتا، یعنی اسلام نے ثابت کر دیا تھا کہ اس کے اندر یہ قابلیت موجود ہے۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے دورِ خلافت میں (اسلام) مخالف تحریکوں نے یوں سر اُٹھایا کہ وہ اسلامی نظام کی راہ میں ایک رکاوٹ بن کر سامنے آنے میں کامیاب ہو گئیں۔ اگرچہ یہ تحریکیں امام حسن علیہ السلام کے دور میں وجود میں نہیں آئی تھیں، بلکہ یہ کئی سال پہلے سے موجود تھیں۔ اگر کوئی شخص اپنے اعتقادی نظریات سے ذرا ہٹ کر صرف تاریخی حقائق کی روشنی میں بات کرے تو وہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ تحریکیں اسلام کے ساتھ بھی وجود میں نہیں آئی تھیں؛ بلکہ یہ اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں جو نبویؐ تحریک یعنی مکی دور میں بھی موجود تھیں۔ عثمان کے دور میں جب خلافت بنو اُمیہ کے ہاتھ آگئی تو ابوسفیان نے (جو اس وقت نابینا بھی ہو چکا تھا اور اپنے قریبی لوگوں کے ساتھ ایک محفل میں بیٹھا ہوا تھا) پوچھا: یہاں پر کون لوگ موجود ہیں؟ جب اسے بتایا گیا کہ فلاں فلاں ہیں اور اسے یقین ہو گیا کہ سب بنو اُمیہ کے ہی لوگ ہیں اور کوئی غیر موجود نہیں ہے، تو اس نے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: ''تَلَقَّفُوهَا تَلَقُّفَ الْكُرَةِ'' یعنی گیند کی طرح حکومت کو ایک دوسرے کی طرف پاس دیتے جاؤ اور اپنے ہاتھ سے نکلنے نہ دو! اس واقعہ کو سنی شیعہ دونوں کی تاریخی کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔

یہ کوئی اعتقادی مسئلہ نہیں ہے اور نہ ہی ہم اعتقادی مسائل پر بات کر رہے ہیں، (میں پسند نہیں کرتا کہ ان مسائل کو اعتقادی یا جذباتی انداز سے لیا جائے) بلکہ میں صرف اس واقعے کا تاریخی پہلو واضح کرنا چاہتا ہوں۔ البتہ ابوسفیان اس وقت (ظاہری طور پر) ایمان لا چکا تھا اور وہ مسلمان تھا وہ فتحِ مکہ کے بعد یا فتحِ مکہ کے موقعہ پر ایمان لایا تھا، نہ کہ اس وقت اسلام لایا تھا جب اسلام غریب اور کمزور تھا۔ اس کا اسلام،

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

اسلام کے طاقتور ہونے کے بعد کا اسلام تھا۔

یہ تحریک حضرت امام حسن علیہ السلام کے دور خلافت میں اپنی انتہاء کو پہنچ چکی تھی اور یہ وہ تحریک تھی جو معاویہ بن ابی سفیان کی شکل میں امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے سامنے ظاہر ہوگئی۔ اس تحریک نے اسلامی نظام کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنا شروع کردیں یعنی حکومتِ اسلامی کا راستہ روکتے ہوئے، اس کی جڑوں کو کاٹ دیا اور اس کے لیے مشکلات کھڑی کر دیں۔ یہاں تک کہ یہ عملی طور پر حکومتِ اسلامی کی پیش رفت میں رکاوٹ بن گئی۔

صلحِ امام حسن علیہ السلام کے باب میں ہم نے بارہا اس مسئلے کو بیان کیا ہے اور کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے کہ اگر اس موقعہ پر امام حسن علیہ السلام کی جگہ کوئی اور ہوتا، یہاں تک کہ خود امیر المومنین امام علی علیہ السلام ہوتے، تب بھی جو کچھ امام حسن علیہ السلام نے کیا تھا اس کے علاوہ کچھ اور ممکن ہی نہ تھا۔ کوئی بھی شخص امام حسن علیہ السلام کے اس اقدام کے کسی بھی گوشے پر انگلی نہیں اُٹھا سکتا، کیونکہ آپؑ کا یہ اقدام سو فیصد منطقی استدلال پر مبنی ہے۔

اہل بیت علیہم السلام میں سب سے زیادہ جوشیلا اور جذباتی کون تھا؟ کس کی زندگی سب سے زیادہ شہادت طلبانہ جدّوجہد اور جہاد میں گزری ہے؟ دشمن کے مقابلے میں سب سے زیادہ دینی غیرت اور حمیّت کا پاس رکھنے والا کون تھا؟ (یقیناً) وہ حسین ابن علی علیہما السلام تھے اور آپؑ تو صلح میں امام حسن علیہ السلام کے ساتھ برابر کے شریک تھے، امام حسن علیہ السلام نے اکیلے صلح نہیں کی تھی، بلکہ امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام دونوں نے ملکر صلح کی تھی، فرق صرف یہ تھا کہ امام حسن علیہ السلام آگے آگے تھے اور امام حسین علیہ السلام آپؑ کے پیچھے تھے اور امام حسن علیہ السلام کے نظریات کا دفاع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک نشست میں جب آپؑ کے قریبی دوستوں (تحریکی اور جذباتی ساتھیوں) میں سے ایک شخص نے امام حسن علیہ السلام پر اعتراض کیا تو امام حسین علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام کا دفاع کیا: ''وَغَمَزَ الْحُسَيْنُ حُجْراً''[۱] کوئی

۱۔ امام حسین علیہ السلام نے حجر کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا (اور وہ خاموش ہوگیا)۔ (شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۱۶، ص۱۵)

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ امام حسنؑ کی جگہ امام حسینؑ ہوتے تو یہ صلح واقع نہیں ہوتی؛ نہیں بلکہ اس صلح میں بھی امام حسینؑ، امام حسنؑ کے ہمراہ موجود تھے اور صلح واقع ہوئی، اسی طرح اگر امام حسینؑ اکیلے ہوتے، تب بھی ایسے حالات میں وہی کچھ کرتے جو امام حسنؑ نے کیا۔

تاریخ کا باعظمت اور ملائمت سے بھر پور مصالحانہ اقدام

صلح کی تمام شرائط موجود تھیں اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ ہی نہ تھا، کیونکہ اس وقت شہادت کے لیے خود کو پیش کرنے کا موقع ہرگز نہیں تھا۔ جیسا کہ مرحوم شیخ راضی آل یاسینؒ نے اپنی کتاب ”صلحِ امام حسنؑ“ (جس کا میں نے سن ۱۹۶۹ء میں فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔) میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس وقت شہادت کا امکان ہی نہ تھا کیونکہ ہر مقتول شہید نہیں کہلاتا، بلکہ کچھ شرائط کے ساتھ اگر کوئی مارا جائے تو اسے شہید کہتے ہیں۔ چونکہ وہ شرائط یہاں موجود نہیں تھیں، لہٰذا امام حسنؑ ان دنوں قتل ہو جاتے تو شہید نہ کہلاتے؛ کیونکہ ایک ایسے موقعہ پر جہاں انسان کو مصلحت سے کام لینا چاہیے وہاں پر وہ جارحانہ رویّہ اپنائے اور مارا جائے تو ایسی موت کو خودکشی کے علاوہ شہید کہنا ممکن نہیں ہے۔

صلحِ امام حسنؑ کے مختلف پہلوؤں پر ہم بات کر چکے ہیں لیکن اب مسئلہ یہ ہے کہ امام حسن مجتبیٰؑ کی صلح کے بعد حالات انتہائی ہوشیاری اور زیرکی کے ساتھ اس طرح سے منظم کیے گئے کہ اسلام اور اسلامی تعلیمات کو خلافت کے نام پر وجود میں آنے والی ملوکیت کے اس کثیف گرداب میں داخل ہی نہ ہونے دیا جائے اور یہی امام حسن مجتبیٰؑ کا کارنامہ تھا۔ آپؑ نے ایک ایسا کام انجام دیا کہ جس کے ذریعے اسلام کی اصلی تعلیمات کو جن کا آغاز مکہ سے ہوا اور مدینے میں یہ ایک اسلامی حکومت کی شکل میں ظاہر ہوئیں اور امیر المومنین علیؑ کے دورِ حکومت اور خود امام حسنؑ کے دور تک جاری رہیں، ایک نئی جہت دینی تھی اور اگر یہ کام انجام دینا ایک حکومت کی صورت میں نہیں، تو کم از کم ایک تحریک کی صورت میں ہی سہی اسے انجام دینا تھا اور یہ اسلام کا

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

تیسرا دور تھا کہ جس میں اسلام نے دوبارہ تحریک کی شکل اختیار کر لی تھی جس کے نتیجے میں اسلام نابِ محمدیؐ، اسلام کی اصلی تعلیمات، وہ اسلام جو ظلم کے مقابلے میں اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، وہ اسلام جو سازشوں کو ناکام بنا دیتا ہے، وہ اسلام جو ہر قسم کی تحریفات سے پاک ہے اور وہ اسلام جو لوگوں کے ہاتھوں میں خواہشاتِ نفسانی اور ہوا و ہوس کا بازیچہ بننے سے بچنے والا ہے، وہ اسلام باقی رہ گیا، لیکن وہ ایک تحریک کی صورت میں باقی رہ گیا؛ یعنی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے دور میں اسلامی طرزِ فکر جس نے ایک طویل راستے کو طے کرتے ہوئے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی، اس نے دوبارہ پلٹ کر ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی تھی۔ البتہ اس دور میں اسلامی تحریک کی ذمہ داریاں، خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کی ذمہ داریوں سے کہیں زیادہ سخت اور مشکل تھیں۔

کیونکہ یہاں دین کا مخالف بھی مذہب اور دین کا نعرہ لگا رہا تھا اور اس نے مذہب ہی کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا؛ جبکہ حقیقت میں دین اور مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا اور یہی چیز ائمہ معصومین علیہم السلام کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ البتہ ائمہ معصومین علیہم السلام سے منقول روایات اور ان کے حالاتِ زندگی کے مطالعے سے، میں اس نتیجے پر پہنچ گیا ہوں کہ جس دن سے صلحِ امام حسن علیہ السلام واقع ہوئی، اسی دن سے لیکر آخر تک ائمہ معصومین علیہم السلام کی مسلسل یہ کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طریقے سے اس تحریک کو ایک مرتبہ پھر اسلامی حکومت میں تبدیل کر سکیں۔ اس حوالے سے بہت ساری روایات پائی جاتی ہیں، البتہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ اس چیز کا کسی اور انداز سے جائزہ لیں لیکن میری تحقیق یہ ہے کہ ائمہ اطہار علیہم السلام کی پوری کوشش رہی ہے کہ اس تحریک کو خالص اسلامی حکومت میں تبدیل کر سکیں؛ یعنی وہ چاہتے تھے کہ معاشرے کا نظام اس تحریک کے ہاتھ میں ہو جو ہوا و ہوس اور نفسانی خواہشات سے دور اور پاک و صاف ہے، لیکن یہ بہت ہی سخت اور مشکل کام تھا۔

اس انقلابی تحریک کے دوسرے دور یعنی سُفیانی، مروانی (اُموی) اور عباسی خلفاء کی خلافت کے دور میں لوگوں کے لیے سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ اسلام اور قرآن کے صحیح اصولوں کو سمجھنے اور ان کی پہچان میں غلطی نہ کریں۔ آخر تمام ادیانِ عالم نیز قرآن

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

کریم میں انسانوں کو اس قدر غور و فکر اور تدبُّر کی تاکید کیوں کی گئی ہےاور وہ بھی دین کے بنیادی اصولوں یعنی توحید کے بارے میں۔ توحید کا صرف یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم کہیں کہ کوئی خدا ہے اور وہ بھی ایک ہے دو نہیں ہیں۔ یہ توحید کی ظاہری صورت ہے، جبکہ توحید کا باطن ایک ایسا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے جس میں اولیائے الٰہی غوطے لگاتے ہیں۔

توحید ایک بہت ہی باعظمت وادی کا نام ہے، لیکن اس باعظمت وادی میں بھی مومنین، مسلمین اور موحّدین کو غور و فکر اور تعقّل و تدبُّر کے ساتھ آگے بڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور حقیقت میں بھی غور و فکر ہی انسان کو آگے لے جا سکتا ہے۔ البتہ مختلف مراحل میں عقل، وحی کے نور، معرفت کے نور اور اولیائے الٰہی کی تعلیمات سے اپنے لیے غذا حاصل کرتی ہے، لیکن پھر بھی جس طاقت کی مدد سے آگے بڑھا جا سکتا ہے وہ عقل کی طاقت ہی ہے، عقل کے بغیر کہیں بھی جایا نہیں جا سکتا ہے۔

ملتِ اسلامیہ کو ان چند سو سال کے عرصے میں، جب خلافت کے نام سے ان پر حکومت کی گئی (یعنی ساتویں صدی تک جو بنو عباس کی خلافت کا آخری دور تھا۔ البتہ بنو عباس کی خلافت کے بعد بھی بعض مقامات پر خلافت کے نام سے کچھ چیزیں موجود تھیں؛ جیسے ممالیک کے دور میں مصر اور اس کے ایک مدت بعد خلافتِ عثمانیہ کا زمانہ اور دیگر مقامات پر) جس چیز کو سمجھنے کی ضرورت تھی وہ یہ کہ انہیں عقل کو قاضی بنا کر یہ دیکھنا چاہیے تھا کہ اسلام، قرآن اور معتبر احادیث میں حکمرانوں کے لیے جو شرائط بیان کی گئیں ہیں، کیا وہ موجودہ حکمرانوں میں پائی جاتی ہیں کہ نہیں؟ یہ انتہائی اہم بات تھی۔

اُموی اور عباسی خلافتوں کا دور

مروانی، سُفیانی اور عباسی خلافت کا دور، ایک ایسا دور تھا کہ جس میں اسلامی اقدار اپنا حقیقی وقار کھو چکی تھیں اور ان کے خالی ڈھانچے باقی رہ گئے تھے، لیکن ان اقدار کے بنیادی مفاہیم جاہلی اور شیطانی مفاہیم میں تبدیل ہو چکے تھے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

وہ مراکز جو انسانوں کو عاقل، عبادت گزار، مومن، آزاد، برائیوں سے دور، اللہ کے حضور میں خاضع اور متکبروں کے مقابلے میں متکبر بنانا چاہتے تھے (اور ان میں سب سے بہترین مرکز خود حضور اکرمﷺ کے زمانے میں اسلامی مملکت تھی)، وہ اب ایسے مراکز میں تبدیل ہو چکے تھے جہاں انسانوں کو مختلف تدابیر کے ذریعے دنیاداری، چاپلوسی اور ہوس رانی میں مشغول اور انہیں روحانیت سے دُور کرکے ان کی شخصیت کو تباہ کر دیا جاتا تھا۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بنو اُمیہ اور بنو عباس کے پورے دورِ خلافت میں یہی سلسلہ جاری تھا۔ تاریخ کی کتابیں ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں، اگر ہم انہیں بیان کرنا چاہیں تو بہت وقت لگے گا۔ یہ سلسلہ خود معاویہ ہی کے دور سے شروع ہو گیا تھا اور وہ اس کام میں مشہور ہو چکا تھا یعنی تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ ایک حلیم اور کھلے دل کا آدمی تھا اور وہ اپنے مخالفین کو اس بات کی اجازت دیتا تھا کہ وہ اس کے سامنے جو چاہیں کہہ سکتے ہیں، ممکن ہے کہ ایک خاص زمانے میں یا ابتدائے حکومت میں وہ ایسا رہا ہو، لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی زندگی اور شخصیت کے دوسرے پہلوؤں کے بارے میں بہت کم لکھا گیا ہے کہ وہ کس طرح عام لوگوں، قبائل کے سرداروں اور معاشرے کے جانے پہچانے اور سرکردہ لوگوں کو اپنے عقائد اور ایمان سے دستبردار ہونے اور حق کے مقابلے میں اُٹھ کھڑے ہونے کے لیے تیار کرتا تھا۔ مورّخین نے ان چیزوں کے بارے میں بہت کم لکھا ہے لیکن پھر بھی بعض لوگوں نے کچھ نہ کچھ لکھا ضرور ہے جو تاریخ میں اس وقت بھی موجود ہے۔

اس کی خلافت سے وابستہ لوگوں کی اس طرح تربیت کی جاتی تھی کہ انہیں خلیفہ کی رائے اور اس کی مرضی کے خلاف ایک لفظ بھی زبان پر لانے کی اجازت نہیں تھی۔ آخر یہ کیسا معاشرہ ہے؟ اور یہ کس قسم کے انسان ہیں؟! لوگوں کے اندر یہ کیسا اسلامی اور الٰہی جذبہ کارفرما ہے کہ جس کی بنا پر وہ معاشرے سے برائیوں کا خاتمہ کرکے اسے ایک الٰہی معاشرہ بنانا چاہتے ہیں؟ کیا ایسا کرنا ممکن ہے؟!

جاحظ یا شاید ابو الفرج اصفہانی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اپنے دورِ خلافت میں معاویہ گھوڑے پر سوار ہو کر مکہ جا رہا تھا اس کے برابر میں ایک اور شخص بھی اپنے

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

گھوڑے پر سوار چل رہا تھا، معاویہ اس شخص کے ساتھ باتوں میں مگن تھا ان کے پیچھے اور بھی لوگ چل رہے تھے۔ معاویہ زمانۂ جاہلیت میں بنو اُمیہ کے کارنامے بیان کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ یہاں ایسا تھا تو وہاں ویسا تھا، میرے باپ ابو سفیان نے اس وقت ایسے کارنامے انجام دیئے۔ راستے میں کچھ بچے کھیل رہے تھے کہ کسی بچے نے ایک پتھر پھینکا اور وہ معاویہ کے ساتھ چلنے والے شخص کی پیشانی پر جا لگا اور اس کی پیشانی سے خون بہنے لگا۔ اس شخص نے معاویہ کی باتوں میں خلل نہیں ڈالا، بلکہ کچھ کہے بغیر خاموش درد برداشت کرتا رہا یہاں تک کہ خون اس کے چہرے اور داڑھی تک آگیا، معاویہ یوں ہی اپنی باتوں میں مگن تھا کہ اچانک اس کی نظر اس شخص پر پڑی۔ معاویہ نے دیکھا کہ اس کی پیشانی سے خون بہہ رہا ہے۔ کہا: ارے، یہ کیا ہوا ہے! تمہاری پیشانی سے خون بہہ رہا ہے؟ وہ شخص معاویہ کے جواب میں حیرت سے کہتا ہے: کیا میری پیشانی سے خون بہہ رہا ہے؟ کہاں ہے؟ یعنی وہ شخص یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ معاویہ کی باتیں سننے میں اس قدر مگن تھا کہ اسے پتہ بھی نہیں چلا کہ اس کی پیشانی پر پتھر لگا ہے اور خون بہہ رہا ہے! معاویہ نے اس سے پوچھا: تعجب ہے! تمہاری پیشانی پر پتھر لگا اور خون بہہ رہا ہے لیکن تمہیں پتہ بھی نہیں چلا؟! اس نے کہا: نہیں! مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا۔ اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: تعجب ہے خون بہہ رہا ہے؟ بعد میں اس نے معاویہ کی جان یا مقدسات کی قسم کھا کر کہا: میں تو آپ کی شیرین کلامی میں اس قدر مگن تھا کہ جب تک آپ نے نہیں بتایا مجھے پتہ بھی نہیں چلا کہ میری پیشانی سے خون نکل رہا ہے! معاویہ نے اس شخص سے پوچھا: بتا کہ بیت المال سے تجھے کتنا حصّہ ملتا ہے؟ اس نے کہا: مثلاً مجھے اتنا مال ملتا ہے۔ معاویہ نے کہا: واقعاً تیرے ساتھ ظلم ہو رہا ہے اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے حکم دیا کہ اس کے حصے کو تین گنا بڑھایا جائے! یہ تھا معاویہ کی حکومت کا مزاج اور اس دور کی ثقافت کا معیار۔

اس زمانے میں جو لوگ سرداروں اور خلفاء کی چاپلوسی کرتے ہوئے، ان کے گن گاتے تھے اختیارات انہیں کے ہاتھوں میں ہوتے تھے۔ یہاں پر قابلیت اور معیار کی بنیاد پر اختیارات دینے کا رواج ہی نہیں تھا۔ بنیادی طور پر عرب معاشرے میں حسب

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

و نسب کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے کہ فلاں شخص کا تعلق کس قبیلے سے ہے؟ اور اس کے والدین کون ہیں؟ لیکن یہ لوگ (بنو اُمیہ) تو حسب و نسب کا بھی کوئی خیال نہیں رکھتے تھے۔ عبد الملک بن مروان اور اس کے بعض بیٹوں کے دورِ حکومت میں، انہوں نے یوسف بن عمر ثقفی نامی شخص کو ایک طویل عرصے تک عراق پر مسلط کیے رکھا وہ کافی سال عراق کا حاکم اور گورنر تھا۔ یہ انتہائی بدبخت اور کینہ پرور شخص تھا۔ تاریخ میں اس کی کینہ پروری کے بہت سارے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ شخص چھوٹے قد کا حامل تھا اور اپنے اسی چھوٹے قد کی وجہ احساسِ کمتری میں مبتلا تھا۔ وہ جب درزی کو کپڑے دیتا تو اس سے پوچھتا تھا کہ کیا یہ کپڑا اس کے سوٹ کے لیے کافی ہے؟ اگر درزی کہتا کہ جی ہاں! یہ کپڑا کافی ہے بلکہ تھوڑا کپڑا بچ بھی جائے گا، تو وہ اس درزی سے کپڑا واپس لیتے ہوئے اسے گرفتار کرنے اور سزا دینے کا حکم دیتا تھا! درزیوں کو بھی اس کی عادت کا پتہ چل گیا تھا اس لیے جب بھی وہ کسی درزی کو کپڑا سینے دیتا اور پوچھتا: کیا یہ کپڑا میرے لیے کافی ہے؟ تو درزی اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہتا: نہیں جناب! شاید یہ کپڑا آپ کے قد و قامت کے لیے کم پڑ جائے، لیکن ہمیں کافی محنت کرنی ہوگی تاکہ اسے آپ کے قد و قامت کے مطابق بنا سکیں! وہ یہ جاننے کے باوجود کہ درزی جھوٹ بول رہا ہے، اس کی بات پر خوش ہوتا تھا۔ یہ ایک ایسا احمق اور بےوقوف شخص تھا۔ یہ وہی تھا جس نے کوفہ میں زید بن علی علیہ السلام کو شہید کیا۔ ایک ایسا شخص کئی سالوں تک لوگوں کی جان و مال اور عزّت و ناموس پر مسلط تھا۔ نہ تو کوئی صحیح حسب و نسب رکھتا تھا اور نہ ہی عقل و شعور کا مالک تھا، لیکن صاحبانِ اقتدار سے وابستہ تھا اس لیے اس کو اس منصب پر بٹھایا گیا تھا۔ یہ چیزیں کسی بھی نظام کے لیے بہت بڑی آفت کا درجہ رکھتی ہیں۔

یہ اسلام مخالف تحریک اسی طرح جاری و ساری تھی، جبکہ اس کے مقابلے میں حقیقی اسلامی اور قرآنی اقدار پر مبنی تحریک (جو کسی بھی صورت میں اس غیراسلامی تحریک کے مقابلے میں گھٹنے ٹیکنے والی نہیں تھی) بھی جاری و ساری تھی، جس کی سب سے واضح مثال ائمہ معصومین علیہم السلام اور ان کے باوفا اصحاب ہیں۔ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی برکت سے اسلامی اقدار پر مبنی اس تحریک نے اسلام کو بچایا۔ اگر امام حسن علیہ السلام

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

صلح نہ کرتے تو دینِ اسلام کی ان متحرک اقدار میں سے کچھ بھی باقی نہ بچتا بلکہ سب کچھ ختم ہوجاتا، کیونکہ اس صورت میں بظاہر غلبہ تو معاویہ ہی کو حاصل ہونا تھا۔ کیونکہ حالات یہ بتاتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کو کامیابی ملنے کے کوئی امکانات نہیں تھے، بلکہ کامیابی معاویہ ہی کو ملنے والی تھی کیونکہ تمام تبلیغاتی ذرائع پر اس کا قبضہ تھا اور دوسری طرف مسلمانوں کے درمیان اس کی شخصیت بھی جانی پہچانی تھی وہ کوئی غیر معروف آدمی نہیں تھا۔

صلحِ امام حسن علیہ السلام کے اثرات

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اگر صلح نہ کرتے تو خاندانِ رسالتؐ کے تمام افراد مارے جاتے اور معاویہ ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑتا کہ وہ اسلام کی اصلی اقدار کی حفاظت کر سکیں۔ سب کچھ ختم ہو جاتا اور اسلام کا نام لینے والا کوئی باقی نہ بچتا اور واقعہ عاشورا کی نوبت بھی نہ آتی۔ یعنی اگر امام حسن علیہ السلام معاویہ کے ساتھ جنگ کو جاری رکھتے تو اس کے نتیجے میں خاندانِ رسالتؐ کے تمام افراد شہید ہو جاتے۔ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ساتھ حجر بن عدی جیسے اور بھی نامور اصحاب قتل کر دیئے جاتے۔ کوئی ایسا شخص باقی ہی نہیں بچتا جو اسلام کی حقیقی اقدار کی حفاظت کر سکے۔ اس لیے امام حسن علیہ السلام نے صلح کی اور یہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا اسلام پر بہت بڑا احسان ہے۔

(۱۱۔۰۴۔۱۹۹۰ء)

البتہ صلحِ امام حسن علیہ السلام ایک زبردستی کی صلح تھی لیکن پھر بھی ایک صلح واقع تو ہوئی تھی، لیکن امام حسن علیہ السلام دل سے اس کے لیے راضی نہ تھے۔ اس لیے امام حسن علیہ السلام نے جن شرائط پر معاویہ کے ساتھ صلح کی، ان شرائط نے معاویہ کی سیاست کو متزلزل کر دیا تھا۔ صلحِ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور اس کی شرائط بھی ایک الٰہی تدبیر تھی "وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ"[1] یعنی اگر امام حسن علیہ السلام اس وقت معاویہ کے ساتھ جنگ کرتے تو یقیناً مارے جاتے

۱۔ انہوں (دشمنوں) نے مکاری کی تو اللہ نے بھی جوابی تدبیر کی (اور خدا بہترین تدبیر کرنے والا ہے)۔ (سورہ آلِ عمران، آیت ۵۴)

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

اور وہ بھی اپنے ہی اصحاب کے ہاتھوں، جنہیں معاویہ کے جاسوسوں نے بھاری رقوم دے کر خرید لیا تھا اور معاویہ کہتا کہ حسن ابن علی علیہما السلام کو میں نے تو نہیں مارا بلکہ خود ان کے اصحاب ہی نے مارا ہے، عین ممکن ہے کہ وہ اس صورت امام حسن علیہ السلام کے لیے مجلسِ ترحیم کا بھی اہتمام کرتا، لیکن بعد میں وہ امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب کو ایک ایک کرکے تہہ تیغ کردیتا اور شیعہ نام کا کوئی ایک شخص بھی باقی نہیں بچتا، جو بیس سال بعد کوفہ میں امام حسین علیہ السلام کو دعوت دے سکے۔ لہٰذا امام حسن علیہ السلام نے تشیع کی بنیادوں کو بچایا تاکہ بیس، پچیس سال بعد حکومت کی باگ ڈور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں آجائے۔

(۰۲ـ۰۶ـ۲۰۰۰ء)

جب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کر لی تو بہت سے جاہل اور کم فہم لوگوں نے آپؑ کو مختلف طریقوں سے ہدفِ تنقید بنایا۔ کبھی وہ آپؑ کو مومنین کی ذلّت اور رسوائی کا باعث[۱] گردانتے ہوئے کہتے تھے: ”آپؑ نے معاویہ کے ساتھ صلح کرکے مومنین کی اس پُرجوش جماعت کو ذلیل و رسوا اور معاویہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔“ کبھی احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ذرا دھیمے لہجے میں یہی باتیں دہرائی جاتی تھیں۔

لیکن امام حسن علیہ السلام ان تمام اعتراضات اور تنقیدوں کے جواب میں ان سے صرف ایک جملہ ارشاد فرماتے تھے، جو شاید آپؑ کے تمام فرمودات میں سب سے زیادہ واضح اور بہتر ہے اور وہ جملہ یہ ہے: ”مَا تَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَى حِيْنٍ“[۲] تمہیں کیا معلوم شاید یہ تمہارے لیے ایک آزمائش ہو؟ اور معاویہ کے لیے ایک عارضی سرمایہ اور فرصت ہو۔ آپؑ کا یہ جملہ درحقیقت قرآن کریم کا ایک اقتباس ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؑ کو مستقبل کا انتظار ہے اور وہ مستقبل اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو سکتا کہ آپؑ کی نظر میں حق سے منحرف اور ناقابلِ قبول حکومت برطرف ہو جائے اور اس کی جگہ آپؑ کی پسند کی ایک حکومت قائم ہو جائے۔ لہٰذا آپؑ ان لوگوں سے مخاطب ہو

۱۔ ”یَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِیْنَ“ (تحف العقول، ص۳۰۸)

۲۔ ماخوذ از سورہ انبیاء، آیت۱۱۱؛ مجھے نہیں معلوم شاید یہ تمہارے لیے ایک آزمائش اور کچھ وقت کی فرصت ہو۔ (بحار الانوار، ج۴۴، ص۵۶)

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

کر فرماتے ہیں تم صلح کے فلسفہ کو نہیں جانتے، تمہیں کیا معلوم شاید اسی میں ہی کوئی مصلحت پوشیدہ ہو؟

صلح کے آغاز ہی میں (جب) شیعہ عمائدین میں سے دو مشہور شخصیات، مُسیَّب بن نَجَبَہ اور سلیمان بن صُرَد خزاعی چند مسلمانوں کے ہمراہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہمارے پاس خراسان اور عراق وغیرہ میں خاصی افرادی قوت موجود ہے اور ہم اسے آپؑ کے اختیار میں دینے کے لیے تیار ہیں اور معاویہ کا شام تک تعاقب کرنے کے لیے حاضر ہیں تو آپؑ نے انہیں تنہائی میں گفتگو کرنے کے لیے طلب کیا اور کچھ دیر بات چیت کی اور جب وہ آپؑ کے ہاں سے باہر نکلے تو ان کے چہرے پر اطمینان کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ انہوں نے اپنے فوجی دستوں کو رخصت کر دیا، حتیٰ کہ ساتھ آنے والوں کو بھی کوئی واضح جواب نہ دیا۔

طٰہٰ حسین[1] کا یہ دعوی ہے کہ دراصل اسی ملاقات میں شیعوں کی تحریک کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا تھا یعنی وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کے ساتھ مل بیٹھ کر اور آپس میں بات چیت کرکے ایک عظیم شیعہ تنظیم کی بنیاد رکھ دی تھی۔

چنانچہ خود امام حسن علیہ السلام کے حالاتِ زندگی اور آپؑ کے مقدس ارشادات سے بھی واضح طور پر یہی مفہوم نکلتا ہے، اگرچہ وہ زمانہ اس قسم کی تحریک اور سیاسی جدوجہد کے لیے سازگار نہ تھا (کیونکہ) لوگوں میں سیاسی شعور بے حد کم اور دشمن کے پروپیگنڈوں نیز مالی وسائل کے بےدریغ استعمال کا بازار گرم تھا۔ دشمن جن طریقوں سے فائدہ اُٹھا رہا تھا، آپؑ ان طریقوں کو اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ مثلاً بے حساب پیسہ خرچ کرنا اور معاشرہ کے چھٹے ہوئے بدقماش افراد کو اپنے گرد اکٹھا کر لینا آپؑ کے لیے ممکن نہ تھا۔ ظاہر ہے دشمن کا ہاتھ کھلا ہوا تھا اور اس حوالے سے امام عالی مقامؑ کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔[2]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک اور روایت میں آپؑ فرماتے ہیں:

۱۔ مشہور معاصر مصری مورّخ

۲۔ پاسدار اسلام، شمارہ ۶

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

''وَقَّتَ هٰذَا الْاَمْرَ فِي السَّبْعِيْنَ''[1] یعنی خدا کی تقدیر میں یہ تھا کہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے تیس سال اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے دس سال بعد حکومتِ اسلامی کی باگ ڈور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس کی جائے، لیکن اتنا بڑا نتیجہ کب سامنے آتا ہے؟ جب لوگ اپنے قصد اور ارادے کے ساتھ اس کے لیے مقدمات فراہم کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے! لوگوں نے اپنے فرائض اور ذمہ داریاں ادا نہیں کیں، جبکہ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام نے اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دیا لیکن خواص جیسے عبداللہ ابن جعفر اور عبداللہ ابن عباس اور ان جیسے دوسرے لوگوں نے اپنی ذمہ داریوں کو نہیں نبھایا۔ یہاں تک کہ اُن لوگوں نے بھی جنہوں نے بعد میں واقعۂ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ہم رکاب ہوکر جنگ کی۔ انہوں نے بھی جناب مسلم بن عقیلؑ (سفیر امام حسین علیہ السلام) کے ساتھ وہ تعاون نہیں کیا، جو کرنا چاہیے تھا۔ بلکہ انہوں نے کوتاہی کی ورنہ جناب مسلم کے ساتھ وہ کچھ نہ ہوا ہوتا، انہیں جناب مسلم کے ساتھ مل کر حکومتِ کوفہ کا قصّہ تمام کر دینا چاہیے تھا جو کہ نہیں کیا اور ان لوگوں کی یہی کوتاہیاں کربلا کے دلخراش واقعے کا سبب بنیں۔

اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام مزید فرماتے ہیں: ''فَلَمَّا أَنْ قُتِلَ الْحُسَيْنُ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ تَعَالٰى عَلٰى أَهْلِ الْاَرْضِ فَأَخَّرَهُ اِلٰى أَرْبَعِيْنَ وَ مِائَةٍ''[2] یعنی یہ کام تاخیر کا شکار ہو گیا اور میرے خیال میں ایک سو چالیس ہجری تک پہنچ گیا، یعنی سترّ سال مزید تاخیر ہو گئی اور بنو عباس کے دورِ خلافت تک پہنچ گیا۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کی صلح ایک عظیم کام کا مقدمہ قرار پائی، ورنہ حضراتِ ائمہ معصومین علیہم السلام اتنی آسانی کے ساتھ اپنے موقف سے دستبردار ہونے والے کب تھے اور کیا ولایت و حکومت کا مسئلہ کوئی چھوٹی بات تھی؟ نہیں! بلکہ یہ دین کی بنیاد تھی لیکن حالات اس قسم کے درپیش آئے تھے۔

(۲۰۰۰-۰۶-۰۲ء)

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر (حکومتِ الٰہی) کے لیے سترّ ہجری کو معین فرمایا تھا۔ (الکافی، ج۱، ص۳۶۸)

۲۔ جب امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا تو اہل زمین پر اللہ تعالیٰ کے غضب میں شدت پیدا ہوگئی اور اُس نے (تاسیسِ حکومت کا) وقت سن ۱۴۰ھ تک کے لیے مؤخّر کر دیا۔ (الکافی، ج۱، ص۳۶۸)

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

صلحِ امام حسن علیہ السلام کے بارے میں (اب تک) بہت کچھ لکھا اور کہا گیا ہے، لیکن میں یہاں پر اس عظیم واقعے کا ایک دوسرے زاویے سے جائزہ لینا چاہتا ہوں؛ کیونکہ اس واقعے کا تعلق تاریخ کے ایک انتہائی حسّاس موڑ سے ہے، جو اس کی اہمیت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ چونکہ تاریخ اسلام مختلف قسم کے سیاسی واقعات سے بھری پڑی ہے، جیسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المومنین علیہ السلام اور دوسرے ائمہ معصومین علیہم السلام کے دور کے واقعات یا خلفائے بنو اُمیہ اور بنو عباس کے دور کے واقعات وغیرہ؛ لیکن صلحِ امام حسن علیہ السلام جیسے واقعات جو پوری تاریخ اسلام پر اثر انداز ہوئے ہوں، بہت کم ہیں۔ میری نظر میں تاریخ اسلام میں اس قسم کے چند ایک واقعات ہی پائے جاتے ہیں جو اس طرح پوری تاریخ پر اثر انداز ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے کئی صدیوں پر محیط تاریخ اسلام میں صلحِ امام حسن علیہ السلام کا واقعہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

اس واقعے کا ایک اہم موڑ، اسلامی خلافت کا ملوکیت میں تبدیل ہونا ہے۔ اگر ہم اس نکتے پر غور و فکر کریں تو یہ جملہ بہت ہی پُرمغز اور انتہائی اہمیت کا حامل ہے؛ کیونکہ خلافت اور ملوکیت دو الگ الگ قسم کے طرزِ حکومت ہیں، ان دونوں قسم کے طرزِ حکومت میں صرف کسی ایک، دو یا تین چیزوں میں ہی اختلاف نہیں پایا جاتا بلکہ یہ دونوں بالکل ہی ایک دوسرے سے مختلف ہیں؛ یعنی خلافت کوئی اور چیز ہے جبکہ ملوکیت (بادشاہت) دوسری چیز ہے۔ جن کا مسلمانوں اور اسلامی مملکت و معاشرے پر حکمرانی کا انداز بھی مختلف ہے۔ اس واقعے نے تاریخ اسلام اور اسلامی طرزِ حیات کا رُخ موڑ دیا اور رُخ موڑنے کا مطلب تو آپ جانتے ہی ہیں، جیسا کہ ایک ریل گاڑی جو شمال کی طرف رواں دواں ہو اور کسی ایک مقام پر ڈرائیور اس کے ٹریک کو تبدیل کرتے ہوئے اس کا رُخ دوبارہ مخالف سمت یعنی جنوب کی طرف موڑ دے۔ البتہ یہ ایک دم محسوس نہیں ہوتا ہے لیکن تھوڑی دیر بعد جب انسان پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے، تب اسے احساس ہونے لگتا ہے۔ میں اس واقعے کو اس نظر سے دیکھتا ہوں۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی امیر شام سے صلح کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوا، آج کی اصطلاح میں گویا پاور ایک پارٹی سے دوسری پارٹی کو منتقل ہوئی۔ (اب دیکھنا

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

یہ ہے کہ) ان دونوں پارٹیوں کی خصوصیات کیا ہیں؟

یہ جو دو پارٹیوں نے ایک دوسرے کی جگہ لے لی ہے ان کے درمیان کیا فرق ہے؟ یہ ایک بات ہے۔ دوسری بات یہ کہ جب باطل تحریک نے اقتدار کو اپنے ہاتھوں میں لیا تو اس نے اسلامی معاشرے پر اپنا تسلط اور قدرت قائم کرنے کے لیے کونسے حربے استعمال کیے؟ تیسری بات یہ کہ جب حقیقی پارٹی (امام حسن علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں) کو اقتدار سے محروم کر دیا گیا تو اس نے باطل تحریک کے مقابلے میں صبر و استقامت کے کونسے طریقوں کو اپنایا؟ یعنی اس نے کون کونسے طریقے اختیار کیے؟ چوتھی بات یہ کہ شکست کی وجوہات کیا تھیں؟ یعنی وہ کونسے عوامل تھے کہ جن کی بنا پر حق کو شکست کا سامنا کرنا پڑا؟ اس کی کیا وجوہات تھیں؟ پانچویں بات یہ کہ فاتح گروہ، مغلوب گروہ کے ساتھ کس طرح پیش آیا؟ اور یہی اس واقعے کا انتہائی اہم اور عبرتناک باب ہے۔ چھٹی چیز مغلوب گروہ کا فاتح کے ساتھ کیسا رویّہ رہا؟ اس گروہ نے (مقابلے کے لیے) کونسی پالیسی اختیار کی؟ اور ساتویں بات یہ کہ اس سارے واقعے کا نتیجہ کیا نکلا؟

ان دونوں (پارٹیوں اور) تحریکوں کی بہت سی خصوصیات ہیں، ان میں سے بعض کا تعلق حق سے ہے جبکہ بعض کا تعلق باطل سے ہے۔ اگر میں یہاں ان خصوصیات کو ایک ایک کرکے گننا چاہوں تو ایک طویل فہرست بن جائے گی۔ (لہٰذا) میں نے ان کا خلاصہ کیا ہے۔ حق کی تحریک، یعنی امام حسن علیہ السلام کی پارٹی کی نظر میں سب سے اہم چیز دین تھا، دین سے مراد کیا ہے؟ یعنی لوگوں کے ایمان اور عقیدے میں دین باقی رہے، لوگ ایمان اور عمل میں دین کی پابندی کریں اور معاشرے پر بھی دین حاکم ہو؛ یعنی ان کی نظر میں اصل بات یہ تھی کہ معاشرہ دین کی قوت، دین کی حاکمیت اور دین کے دائرے میں رہتے ہوئے آگے بڑھے۔ دوسرے الفاظ میں معاشرے میں اسلامی نظام نافذ ہو۔

جبکہ اقتدار ہاتھ میں لینا، حکومت قائم کرنا اور اُمور کو اپنے ہاتھوں میں لینا اور اس قسم کے دیگر فروعی مسائل، ان کی نظر میں دوسرے، تیسرے اور چوتھے درجے

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

کے کام تھے۔ ان کی نظر میں بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ اس نظام اور معاشرے پر دین کی حاکمیت کارفرما ہو اور جو لوگ اس معاشرے میں رہ رہے ہیں ان کا ایمان نہ صرف باقی رہے، بلکہ ان کے دلوں کی گہرائیوں میں بھی راسخ ہو، یہ تھی حق کی پارٹی کی پہلی خصوصیت۔

دوسری پارٹی، یعنی باطل پارٹی کا اصلی مقصد کسی بھی طریقے سے اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لینا تھا؛ یعنی ہر قیمت پر اقتدار کا حصول، یہ تھی باطل پارٹی کی اصل سیاست۔ اس کی نظر میں اصل چیز اقتدار کا حصول تھا چاہے کسی بھی قیمت اور کسی بھی طریقے سے ہو۔

جیسا کہ دنیا کے اکثر سیاستدانوں کا یہی طریقہ ہے کہ ان کی نظر میں اقدار اور اصولوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے۔ اگر وہ کسی اصول کو اپنا سکیں تو ٹھیک ہے اور اگر نہ اپنا سکیں تو بھی کوئی بات نہیں ہے، کیونکہ ان کے لیے سب سے اہم چیز اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے اور یہی ان کے لیے اہمیت کا حامل ہے اور یہ ایک انتہائی اہم اور حسّاس سرحد ہے۔

ممکن ہے کہ کبھی دونوں پارٹیاں ظاہراً مذہب پر عمل پیرا ہوں، جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام اور امیرِ شام کے درمیان ہونے والی جنگ میں ایسا ہی تھا۔ ایک دن (جنگِ صفین کے موقعہ پر جو حضرت علی علیہ السلام اور امیرِ شام کے درمیان لڑی گئی تھی) امیر المومنین علیہ السلام کے کچھ سپاہی شک و تردید کا شکار ہوئے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ شک میں پڑ جاتے اور ان کے ذہنوں میں مشکوک افکار جنم لیتے ہیں تو نہ خود ان شکوک کو حل کر پاتے ہیں اور نہ ہی قابلِ اطمینان لوگوں سے رجوع کرتے ہیں، بلکہ وہ انہی شکوک و شبہات کو موضوعِ گفتگو بنا کر پروپیگنڈہ کرتے اور دوسروں کے ذہنوں میں بھی شک ڈال دیتے ہیں اور غلط افکار پر مبنی ایک گروہ پیدا کر دیتے ہیں۔ کچھ اس قسم کے افراد (جنگِ صفین کے موقعہ پر) شک و تردید کا شکار ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں؟ وہ بھی نماز پڑھتے ہیں اور ہم بھی نماز پڑھتے ہیں، وہ بھی قرآن پڑھتے ہیں اور ہم بھی قرآن پڑھتے ہیں، وہ بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتے ہیں اور ہم بھی مانتے ہیں۔

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

پس وہ لوگ شک و تردید کا شکار ہو گئے۔

عمار یاسر، جن کے بارے میں، میں اس نتیجے پر پہنچ چکا ہوں کہ صدرِ اسلام میں وہ ایسے حساس، مشکل اور پیچیدہ مسائل کہ جن کے بارے میں لوگ غفلت اور جہالت کا شکار تھے، کا تجزیہ و تحلیل کرنے کے ماہر تھے۔ تاریخ اسلام میں عمار یاسر کا یہ مقام ہے کہ وہ گہرے اور دقیق مسائل کو سمجھتے تھے۔ اگر ہم مالکِ اشتر کو ان کی تلوار اور بہادری سے پہچانتے ہیں، تو ہمیں عمار یاسر کو ان کی فصاحتِ زبان، روشن فکری، درست فہم و ادراک اور صدرِ اسلام کے ایک عظیم تجزیہ نگار کے طور پر جاننا چاہیے۔ امیر المومنین علیہ السلام کے دور میں مجھے ایسے بہت کم موارد ملے جہاں شکوک و شبہات نے جنم لیا ہو اور وہاں عمار یاسر موجود نہ ہوں۔ وہ ایک مافوق الفطرت شخص تھے۔ (جنگ صفین کے موقعہ پر بھی جب) عمار یاسر کو یہ اطلاع ملی کہ لشکر کے کچھ سپاہی شک و تردید کا شکار ہو چکے ہیں، تو وہ ان کے پاس گئے اور ان کے سامنے کچھ حقائق بیان کیے۔ آپ نے اُن پر واضح کیا کہ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ وہ بھی نماز پڑھتے ہیں اور تم بھی نماز پڑھتے ہو۔ چنانچہ انہوں نے کہا: خدا کی قسم! میں نے ایک اور جنگ میں دیکھا ہے کہ یہی دونوں پرچم جو آج ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑے ہیں، یہ پرچم کہ جس کے نیچے امیر المومنین علیہ السلام موجود ہیں اسی طرح اس پرچم کے مقابلے میں تھا جس کے نیچے معاویہ کھڑا ہے اور وہ جنگِ بدر کا موقع تھا، جس موقعہ پر یہ دونوں پرچم یعنی بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کا پرچم ایک دوسرے کے مدِّمقابل تھے اور اس پرچم کے سایہ تلے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام تھے اور اُس پرچم کے نیچے یہی معاویہ اور اس کا باپ (ابو سفیان) تھے۔ ان دونوں کے درمیان اصولی اختلاف پایا جاتا ہے لہٰذا آپ لوگ ظاہر کو مت دیکھیں۔ اس طرح (عمار یاسر نے) ان کے ذہنوں سے شکوک و شبہات دور کر دیئے۔

پس معلوم ہوا کہ باطل تحریکیں جن کا اصل مقصد حصولِ اقتدار ہوتا ہے، وہ بھی کبھی کبھار (مصلحتاً) اسلام کے ظواہر پر عمل پیرا ہوتی ہیں۔ اور یہ (ان کے حق پر ہونے کی) دلیل نہیں ہے لہٰذا ضروری ہے کہ (ان کے) باطن کو دیکھا جائے اور انتہائی ہوشیاری کے ساتھ یہ تشخیص دی جائے کہ کونسی تحریک کس سے وابستہ ہے،

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

یہ پہلی بات ہے۔

ان دونوں تحریکوں کی پہچان اور علامت یہ ہے کہ ایک طرف اقتدار پرستی اور اقتدار کو تحفظ دینا ہے تو دوسری طرف اصول پرستی اور اقدار کا تحفظ و پاسداری ہے۔ اسلام اور اس کے بنیادی افکار؛ یعنی اسلامی اقدار کو قبول کرنا اور ان کے تحفظ کے لیے جدّوجہد اور جہاد کرنا۔ پس ایک طرف اقدار، اصول پرستی اور ان کا تحفُّظ ہے اور دوسری طرف اقتدار پرستی ہے، یعنی ہر قیمت پر اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی ہے۔

لیکن یہ باطل تحریکیں کونسے طریقے اور ذرائع سے استفادہ کرتی ہیں؟ یہ بھی ایک اہم اور توجہ طلب نکتہ ہے۔ ہمیشہ باطل تحریکیں مختلف طریقہ کار اپناتی ہیں، جیسا کہ معاویہ کا منصوبہ ایسے طریقوں پر مشتمل تھا جو اس کے اقتدار، طاقت اور تحفُّظ سے عبارت ہے۔ اس کے ہر عمل سے کسی نہ کسی حوالے سے اس کے اقتدار کے استحکام کا مقصد جھلکتا ہے۔ اس کے اقدامات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ اپنی طاقت کا اظہار، بعض جگہوں پر وہ اپنی طاقت کا بھرپور اظہار کرتا ہے اور (اپنے مخالفین کی) بے رحمی سے سرکوبی کرتا ہے۔

۲۔ دولت اور پیسہ کا استعمال، جو سازشی عناصر کے لیے ایک بہترین ذریعہ آمدنی ہے۔

۳۔ تبلیغ اور جھوٹا پروپیگنڈہ۔

۴۔ سیاست بازی، یعنی سیاسی طریقوں اور اوچھے ہتھکنڈوں سے اپنے مخالفین کو شکست دینا۔ وہ حربے تھے جن سے معاویہ خوب استفادہ کرتا تھا۔

آپ ملاحظہ کیجیے کہ معاویہ ایک جگہ اس قدر سختی کے ساتھ پیش آتا ہے کہ حجر بن عدی، جن کا شمار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامور اصحاب میں ہوتا ہے، جنھیں قتل کر دینا اس کے لیے انتہائی مہنگا بھی پڑ سکتا ہے لیکن وہ انہیں قتل کرا دیتا ہے۔ رُشید ہجری کا تعاقب کرتا ہے یہاں تک کہ انہیں بھی شہید کر دیتا ہے؛ لیکن زیاد بن ابیہ کو جو ایک انتہائی

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

ظالم، کینہ پرور، بداخلاق، بے حسب و نسب اور طاقت کا دلدادہ شخص تھا، اسے کوفہ کا جو تشیع اور پیروانِ ولایت کا گڑھ تھا، گورنر مقرر کرتا ہے اور اسے پورے اختیارات دے دیتا ہے کہ تم جو چاہو کر سکتے ہو۔ اسی زیاد بن ابیہ کے بارے میں مورّخین نے لکھا ہے کہ ''وَاعۡلَم أَنَّ اللهَ لَيۡسَ بِنَاسٍ لَكَ قَتۡلَكَ بِالظِّنَّةِ وَأَخۡذکَ أَوۡلِيَائَهُ بِالتُّهَمَةِ'' [1] جس شخص کے بارے میں معمولی بھی شک ہوتا کہ اس کا جھکاؤ اہل بیت اطہار علیہم السلام کی طرف ہے، اسے گرفتار کرکے زندان میں ڈال دیتا تھا اور اسے سخت اذیتیں دیتا تھا اور جس شخص پر اہل بیت علیہم السلام سے تعاون کا الزام لگتا، اسے قتل کرکے اس کا نام و نشان مٹا دیتا تھا۔ یعنی عراق اور کوفہ میں، جو شیعیانِ اہل بیت علیہم السلام کا مرکز تھا ایک عجیب افراتفری اور دگرگوں صورتحال تھی۔ (معاویہ) کہیں اس طرح اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتا تھا۔

اور دوسری جگہ یہی معاویہ ہے مگر اس کا کردار آپ دیکھ لیں کہ جب کسی قبیلے کی ایک ضعیف خاتون آکر اسے گالیاں دیتی ہے اور خوب بُرا بھلا کہتی ہے کہ تم نے یہ کہا تم نے وہ کیا، تو معاویہ اسے کچھ بھی نہیں کہتا، بلکہ ہنستے ہوئے اس کے ساتھ شفقت اور محبت کا برتاؤ کرتا ہے۔

عدی بن حاتم اس حالت میں امیر شام کے پاس آتا ہے، جب وہ دونوں آنکھوں سے نابینا ہو چکا ہے۔ معاویہ کہتا ہے: اے عدی! علی علیہ السلام نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا، تم نے میرے ساتھ علی علیہ السلام کی جنگ میں اپنے دونوں بیٹوں کو کھو دیا، لیکن علی علیہ السلام نے اپنے دونوں بیٹوں یعنی حسن و حسین علیہما السلام کو بچا کر رکھا۔ عدی بن حاتم نے روتے ہوئے کہا: اے معاویہ! حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے علی علیہ السلام کے ساتھ انصاف نہیں کیا، کیونکہ وہ تو شہید ہو کر اپنے رب سے ملاقات کر چکے جبکہ میں ابھی تک زندہ ہوں۔ [2]

۱۔ تو جان لے کہ خداوند متعال تیرے صرف شک کی بنیاد پر اولیائے الٰہی کو قتل کرنے اور جھوٹے الزام کی بنا پر انہیں گرفتار کرنے کو ہرگز فراموش نہیں کرے گا۔ (بحار الانوار، ج۴۴، ص۲۱۴؛ الامامۃ و السیاسۃ، ابن قتیبہ، ج۱، ص۲۰۲-۲۰۴)

۲۔ الدرجات الرفیعہ، ص۳۶۰

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

امیرِ شام کے سیاسی ہتھکنڈے

امیرِ شام کے دربار میں جب کبھی کسی اہل بیت علیہم السلام کے چاہنے والے کی موجودگی میں امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں معمولی سی گستاخی بھی کی جاتی، تو وہ اپنی پوری طاقت اور شجاعت کے ساتھ معاویہ اور اس کے ساتھیوں کے خلاف احتجاج کرتا اور معاویہ ہنستے ہوئے اسے نظر انداز کر دیتا تھا، یہاں تک کہ کبھی کبھار وہ روتے ہوئے کہتا تھا: جی ہاں آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ شاید ان باتوں کا آپ قارئین کو یقین نہ آئے لیکن یہ حقیقت ہیں۔

یہ پروپیگنڈہ ہی ہے کہ پوری تاریخ میں باطل قوتوں نے اس سے خطرناک اور مسموم ترین وسیلے کے طور پر کام لیا ہے۔ حق کی تحریکیں، باطل تحریکوں کی طرح پروپیگنڈوں سے کام نہیں لے سکتی ہیں؛ کیونکہ اگر جھوٹے پروپیگنڈوں کے ذریعے کسی کے ذہن کو مکمل طور پر متأثر کرنا چاہیں تو اس کے لیے بہت زیادہ ڈرامہ بازی، جھوٹ اور فریب سے کام لینا پڑتا ہے، جو حق کی تحریکوں کے لیے ناممکن ہے۔ یہ باطل تحریکیں ہی ہیں کہ جن کے نزدیک ان کاموں کی کوئی اہمیت نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک اہمیت اس بات کی ہے کہ ایک حقیقت کو کسی دوسری شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ اس کام کے لیے تمام وسائل سے استفادہ کرتی ہیں۔

یہ جو آپ حضرات سنتے رہتے ہیں کہ جب امیر المومنین امام علی علیہ السلام محرابِ عبادت میں شہید کر دیئے گئے تو اہلِ شام کو تعجب ہوا کہ علی علیہ السلام محراب میں کیا کر رہے تھے؟ محراب تو نمازیوں کی جگہ ہے! بعض لوگوں کو ان باتوں پر یقین نہیں آتا، لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ معاویہ نے کئی سالوں پر مشتمل اپنی حکومت کے دوران اور اس سے قبل اس کے بڑے بھائی یزید بن ابی سفیان کے دورِ حکومت میں مختلف پروپیگنڈوں کے ذریعے شام کے ماحول کو اس قدر دھندلا کر دیا اور لوگوں کے ذہنوں کو اتنا خراب کر دیا تھا کہ وہ اس کی جھوٹی باتوں کے علاوہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھے اور وہ معاویہ اور بنو اُمیہ کی حمایت اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے تھے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیائے اسلام میں ہجرت کے سو سال بعد، یعنی شاید امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے چالیس پچاس سال بعد تک منبروں سے آپؑ پر لعن طعن ہوتا رہا۔ میں نے یہ جو کہا کہ اسلامی دنیا میں لعن طعن کا بانی خود معاویہ ہے اور یہی اس کے اخلاق کا معیار تھا۔ بعض لوگ اہلِ تشیع کو موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے انہیں بُرا بھلا کہتے ہیں کہ وہ کیوں بعض صحابہ پر لعن طعن کرتے ہیں؛ جبکہ یہ وہ کام ہے جس کی بنیاد خود معاویہ نے رکھی تھی۔

جس نے امیر المومنین امام علی علیہ السلام کہ جن کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ''اَفْضَلُ الْقَوْمِ[1] وَ اَقْدَمُهُمْ اِسْلَاماً''[2] وہ علی علیہ السلام جو اصحاب میں سب سے زیادہ آپؐ کے قریب اور اسلام لانے میں پہل کرنے والے تھے، ان پر سالہا سال منبروں سے لعن طعن ہوتا رہا، آپؑ کی بُرائیاں کی گئیں، یہاں تک کہ عمر بن عبد العزیز جب خلیفہ بن گیا تو اس نے اس سلسلے کو ممنوع قرار دیتے ہوئے کہا کہ آج کے بعد کسی کو حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ یہ کام کرے۔

عبد الملک بن مروان کے بعد یکے بعد دیگرے اس کے دو بیٹے ولید اور سلیمان تقریباً بارہ تیرہ سال تک خلیفہ رہے، اس کے بعد دو سال کے لیے خلافت عمر بن عبد العزیز کو ملی، دو سال کے بعد دوبارہ خلافت عبد الملک کے دوسرے دو بیٹوں یعنی یزید اور ہشام کو ملی، جب خلافت عمر بن عبد العزیز کو ملی تو اس نے ان لوگوں کو امیر المومنین امام علی علیہ السلام پر سبّ و شتم سے روکا۔ اس وقت تک یہ سلسلہ جاری تھا، شروع شروع میں تو لوگوں کو اس کام پر تعجب ہوتا تھا لیکن آہستہ آہستہ وہ اس بات کے عادی ہوتے گئے۔

۱۔ ''کَانَ عَلِیٌّ اَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ''؛یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل شخص حضرت علی علیہ السلام تھے۔ (الکافی، ج۸، ص۸۰)

۲۔ ''...قَدْ زَوَّجْتُکِ اَقْدَمُهُمْ اِسْلَاماً وَ أَعْظَمُهُمْ حِلْماً وَ أَحْسَنُهُمْ خُلْقاً وَ أَعْلَمُهُمْ بِاللهِ عِلْماً''؛ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: یقیناً میں نے تمہاری شادی ایک ایسے شخص سے کی ہے جو سب سے پہلے اسلام لایا، جو حلم میں سب سے بڑا ہے، جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے اور جو سب سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھتا ہے۔ (عوالم العلوم و المعارف، ج۱۱، ص۳۸۳)

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

میں نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ دنیائے اسلام میں کوئی قاری، محدّث اور راوی ایسا باقی نہیں رہا تھا، جسے معاویہ اور بنو اُمیہ کے حکومتی کارندوں نے اہل بیت اطہارعلیہم السلام کے خلاف اور بنو اُمیہ کے حق میں احادیث گھڑنے اور ان کے حق میں آیاتِ الٰہی کی تفسیر بیان کرنے اور اس قسم کے دوسرے کاموں کے لیے تیار نہ کیا ہو۔

سَمُرَہ بن جُندَب کہ یہ مشہور حدیث''لَا ضَرَرَ وَ لَا ضِرَار''[1] بھی اسی سے مربوط ہے، اس کا تعلق اصحابِ پیغمبر اسلامﷺ سے ہے، البتہ یہ ایک ایسا صحابی ہے کہ آپؐ اس پر غضبناک ہوئے تھے۔ اس کی وجہ وہی مشہور داستان ہے کہ کسی ایک انصاری کے گھر کے صحن میں سَمُرہ کا ایک (کھجور کا) درخت تھا اور وہ اپنے درخت کو دیکھنے کے بہانے بغیر اطلاع کے اچانک اس انصاری کے گھر میں داخل ہو جاتا، جبکہ اس گھر میں اس کے بیوی بچے سب موجود ہوتے تھے، وہ دیکھتے تھے کہ اچانک ایک شخص بغیر اطلاع کے ان کے گھر میں داخل ہو جاتا ہے، سَمرہ کی اس حرکت سے ان سب کو بہت تکلیف پہنچتی تھی، لہٰذا وہ انصاری اس شخص کی شکایت لیکر پیغمبر اسلامﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا۔

پیغمبر اسلامﷺ نے سمرۃ ابن جُندب سے کہا کہ وہ اس درخت کو انصاری کے ہاتھوں فروخت کر دے، لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ درخت میری ملکیت ہے میں اس کی دیکھ بھال کے لیے جاتا رہوں گا۔ یہ سن کر پیغمبر اسلامﷺ نے فرمایا: چلو اس درخت کو میرے ہاتھ فروخت کر دو، اس نے قبول نہیں کیا۔ حضور اکرمﷺ نے فرمایا: میں تجھے اس درخت کے بدلے جنت میں ایک درخت کی ضمانت دیتا ہوں۔ گویا آپؐ نے اسے جنت کا وعدہ بھی دیا لیکن اس نے قبول نہیں کیا اور کہا: مجھے ہر صورت میں اپنا یہی درخت چاہیے۔ اس کی یہ بات سن کر آپؐ نے مالکِ مکان کو حکم دیا کہ گھر جا کر اس کا درخت جڑ سے اُکھاڑ کر باہر پھینک دو تاکہ یہ اسے لے جائے، آپؐ نے فرمایا:''لَا ضَرَرَ وَ لَا ضِرَارَ فِی الْاِسْلَام'' یعنی دینِ اسلام میں ضرر اور ضرار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس بہانے کہ یہاں میری ملکیت ہے، یہ میرا مال ہے آپ کسی کو تکلیف نہیں پہنچا سکتے، کیونکہ اسلام میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔''لَا ضَرَر'' کی

۱۔ ''لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام'' یعنی اسلام میں نہ تو نقصان اُٹھانے کی اجازت ہے اور نہ ہی دوسروں کو نقصان پہنچانے کی۔ (الکافی، ج۵، ص۲۹۴؛ من لا یحضرہ الفقیہ، ج۴، ص۳۳۴)

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

یہ مشہور حدیث جسے ہمارے ہاں ایک فقہی اصول اور قواعد کی حیثیت حاصل ہے، اس کا تعلق اسی سمرۃ ابن جندب سے ہے۔

یہ شخص امیرِ شام کے دورِ حکومت تک زندہ رہا۔ اب ذرا اس کی عاقبت کو دیکھ لیجیے، معاویہ اصحابِ پیغمبر اکرم ﷺ کی تلاش میں رہتا تھا، کیونکہ معاشرے میں ان کا ایک نام اور مقام تھا لہٰذا وہ انہیں اپنے ارد گرد جمع کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سمرۃ ابن جندب کو بھی اپنے حلقۂ احباب میں شامل کر لیا اور اسے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ درج ذیل مشہور آیت کی نسبت امیر المومنین علیؑ کی طرف دے دو، وہ آیت یہ ہے: ''وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللهَ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ''[1] یعنی کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جب وہ دنیا کے بارے میں بولتے ہیں تو دنیا کی مذمت میں ان کی باتیں تجھے تعجب میں ڈال دیتی ہیں اور وہ باتیں تمہیں بھلی لگتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر خدا کو گواہ بناتے ہیں، حالانکہ وہ ریاکاری کرتے ہیں۔

دنیا کی مذمت میں نہج البلاغہ میں موجود امیر المومنین امام علیؑ کے ان فصیح و بلیغ خطبوں کے مقابلے میں جو انتہائی اثرات کے حامل ہیں۔ امیر شام نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔

آپ دیکھئے کہ آج بھی اگر کوئی شخص فصیح و بلیغ گفتگو کرتا ہے، کوئی شعر کہتا ہے یا کوئی کتاب لکھتا ہے اور کسی مطلب کو خوبصورت انداز میں پیش کرتا ہے تو فطری سی بات ہے کہ یہ کام لوگوں میں مشہور ہو جاتا ہے اور اس لکھنے والے کو بھی لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اگرچہ امیر المومنین امام علیؑ کے کلام کا آج کے کسی ادیب کے کلام کے ساتھ موازنہ نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ آپؑ کا کلام ایک نمونہ ہے۔ بلکہ نہج البلاغہ تو اسلامی معارف اور اقدار کی ایک بےمثال شاہکار ہے۔ لوگوں کے درمیان امیر المومنین امام علیؑ کی شہرت کو معاویہ کیونکہ برداشت نہیں کر سکتا تھا، لہٰذا اس نے امیر المومنینؑ کے دنیا کی

۱۔ انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ دنیا کی مذمّت کے بارے میں ان کی باتیں آپ کو بھلی لگتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر خدا کو گواہ بناتے ہیں، حالانکہ وہ بدترین دشمن ہیں۔ (سورہ بقرہ، آیت ۲۰۴)

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

مذمت اور زُہد و تقویٰ پر مبنی خطبوں کے مقابلے میں آپؑ کے خلاف کوئی سازش کرنا چاہی اور سَمُرہ سے کہا کہ تم لوگوں میں جا کر کہوں کہ مذکورہ بالا آیت امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یعنی امیر المومنین امام علی علیہ السلام جو دنیا کی مذمّت میں اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، تو تجھے تعجب ہونے لگتا ہے جبکہ حقیقت میں وہ خود دنیا دار اور ایک لالچی انسان ہیں، لہٰذا یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی درج ذیل آیت''وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ...''[1] ''اور لوگوں میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو اپنے نفس کو مرضی پروردگار کے لیے بیچ ڈالتا ہے۔'' کے بارے میں اس سے کہا گیا کہ تم یہ کہو کہ یہ آیت ابنِ ملجم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کی معاویہ کو بہت ضرورت تھی، کیونکہ وہ اس سے بہت فائدہ حاصل کر سکتا تھا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک صحابی جس نے متعدد جنگوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شرکت کی ہو (جیسا کہ سَمُرۃ ابن جندب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بچپنے ہی سے ایک جنگجو سپاہی تھا اور بالغ ہونے سے پہلے ہی کئی جنگوں میں حصّہ لے چکا تھا، اس شخص کا ایک رُخ یہ بھی تھا) اور آپؐ کے اصحاب میں سے بھی تھا، اس شخص سے کہا گیا کہ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس کی نسبت امیر المومنین علی علیہ السلام کی طرف دو اور کہہ دو کہ یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

سَمُرۃ ابن جندب ایک انتہائی بُرا اور شقی آدمی تھا لیکن اس کے باوجود اس کا ضمیر ایسے کاموں کے لیے تیار نہیں ہوا۔ اس نے کہا: نہیں! میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ جو شخص معاویہ اور سمرۃ ابن جندب کے درمیان واسطہ تھا، اس نے سمرہ سے کہا: تمہیں تمہارا پورا حق ملے گا تم پیسوں کی فکر مت کرو تمہیں اس کام کے بدلے میں پچاس ہزار درہم دیئے جائیں گے۔ اس زمانے میں پچاس ہزار درہم ایک بہت بڑی رقم تھی، پچاس ہزار چاندی کے سکے یعنی پانچ ہزار سونے کے سکّوں کے برابر تھے۔ اس زمانے کے حساب سے یہ ایک بہت بڑی رقم تھی۔ اسے اتنی بڑی رقم کی پیش کش کی گئی لیکن اس نے کہا کہ مجھے قبول نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں سمرہ ڈرامہ بازی کر رہا تھا اور اس طرح وہ مزید رقم نکلوانا چاہتا تھا، ایسا نہیں تھا کہ اس کا ضمیر اسے اس کام

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۰۷

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

سے روک رہا ہو۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ معاویہ کو اس کی ضرورت ہے، اس لیے وہ یہ ڈرامہ کر رہا تھا۔ بہرحال مجھے نہیں معلوم کہ وہ ڈرامہ کر رہا تھا یا اس کا ضمیر اسے اس کام سے روک رہا تھا میں سمرہ جیسے شخص کے گناہوں کو اپنی گردن پر لینا نہیں چاہتا۔

جب اس نے انکار کیا تو معاویہ کی طرف سے قیمت بڑھاتے ہوئے ایک لاکھ درہم کر دی گئی، لیکن جب اس نے پھر بھی انکار کیا تو ڈیڑھ لاکھ پھر دو لاکھ درہم کر دی گئی، لیکن اس نے پھر بھی قبول نہیں کیا تو قیمت بڑھاتے بڑھاتے تین لاکھ یا پانچ لاکھ کی پیش کش کی گئی جو ایک بہت بڑی اور ناقابلِ تصوّر رقم تھی، لیکن اس نے پھر بھی قبول نہیں کیا۔

معاویہ نے اس شخص سے جو اس کے اور سمرہ کے درمیان واسطہ تھا کہا: اس بےوقوف کو معلوم ہی نہیں کہ پانچ لاکھ درہم کتنے ہوتے ہیں؟ اس نے کہا: پانچ لاکھ درہم یہاں لائے جائیں تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ یہ کتنی بڑی رقم ہے؟ پھر دیکھتے ہیں کہ وہ قبول کرتا ہے کہ نہیں؟ معاویہ نے اپنے خزانچی کو حکم دیا کہ خزانے سے پانچ لاکھ درہم نکال کر یہاں لائے جائیں۔ چونکہ اس زمانے میں چاندی کے سکے ہوتے تھے جنہیں تھیلیوں میں رکھا جاتا تھا جن کا حجم بہت زیادہ ہوتا تھا (خزانچی) مزدوروں کے ذریعے درہموں کی تھیلیاں لاتا گیا اور ایک دوسرے کے اُوپر رکھتا گیا یہاں تک کہ یہ تھیلیاں کمرے کی چھت تک پہنچ گئیں۔ اس کے بعد سمرہ سے کہا گیا کہ یہ ہیں پانچ لاکھ درہم۔ اب بتاؤ تمہیں قبول ہے یا نہیں؟ اس نے ایک مرتبہ درہم کی ان تھیلیوں کی طرف دیکھا جو ایک بہت بڑی رقم تھی، لہٰذا قبول کر لیا اور معاویہ کی خواہش کے مطابق کی گئی اس آیت کی تفسیر کتابوں میں محفوظ ہو کر رہ گئی۔ اگرچہ بعد میں علماء کرام نے دنیائے اسلام سے اس قسم کی بےہودہ اور فضول باتوں کا خاتمہ کر دیا لیکن پھر بھی بعض لوگوں کے ذہنوں میں اس کے کچھ نہ کچھ اثرات باقی رہ گئے۔ یہ وہ کارنامہ تھا جسے امیر شام نے انجام دیا تھا اور یہی اس کی پروپیگنڈہ مہم کا ایک اہم حصہ تھا، جسے وہ اپنی حکومت کے لیے ناگزیر سمجھتا تھا۔

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

حق کی تحریک کا طریقہ کار

باطل کی اس یلغار کے مقابلے میں حق کی تحریک بھی خاموش نہیں بیٹھی، (بلکہ) اس نے بھی کچھ طریقہ کار اپنائے بطورِ خلاصہ وہ طریقے درج ذیل ہیں۔

سب سے پہلے بھرپور طاقت کے ساتھ مقاومت: بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید امام حسن علیہ السلام جنگ سے ڈر گئے تھے؛ لیکن ایسا نہیں تھا، بلکہ امام حسن علیہ السلام جنگ کے لیے بالکل تیار تھے، آپؑ کا شمار عرب کے بہادر لوگوں میں ہوتا ہے۔ میں نے مختلف کتابوں میں آپؑ کی شجاعت اور بہادری کے مختلف مواقع پر بے شمار واقعات پڑھے ہیں۔

البتہ امیر المومنین علیہ السلام کے دور میں لڑی جانے والی جنگوں میں جب آپؑ میدانِ جنگ میں جانا چاہتے تھے تو خود امیر المومنین علیہ السلام آپؑ کو جنگ کی اجازت نہیں دیتے تھے کیونکہ حضرت علی علیہ السلام یہ نہیں چاہتے تھے کہ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام میدانِ جنگ میں جائیں اور اپنے لیے خطرات مول لیں۔

بعض لوگوں نے جب امیر المومنین امام علی علیہ السلام سے اس سلسلے میں پوچھا کہ محمد بن حنفیہ بھی تو آپؑ ہی کے بیٹے ہیں، لیکن آپؑ انہیں میدانِ جنگ میں بھیجتے ہیں جبکہ حسنین علیہما السلام کو جنگ کی اجازت نہیں دیتے؟ تو آپؑ نے فرمایا: میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل ختم نہ ہو جائے کیونکہ یہ دونوں آپؐ کے وارث ہیں لہٰذا میں ان کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں۔ بس اسی وجہ سے امیر المومنین علیہ السلام امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو میدانِ جنگ میں بھیجنے سے ہچکچاتے تھے، نہ کہ اپنی اولاد ہونے کی وجہ سے، کیونکہ آپؑ اپنے دوسرے بچوں سے بھی محبت کرتے تھے۔

خود امیر المومنین علیہ السلام بھی میدانِ جنگ کے ایک عظیم شہسوار اور خطرات مول لینے والے شجاع ترین انسان تھے۔ آپؑ میدانِ جنگ سے گھبرانے والے کوئی عام انسان نہیں تھے، لیکن چونکہ حسنین علیہما السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند تھے لہٰذا امیر المومنین علیہ السلام ان کی

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

جان کو خطرے میں ڈالنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ البتہ امام علی علیہ السلام کے دور میں لڑی جانے والی تمام جنگوں میں یہ حضرات موجود ضرور ہوتے تھے، لیکن انہوں نے کوئی زیادہ تلوار نہیں چلائی، یہی وجہ ہے اس دور کے بہادروں میں ان حضرات کے نام نہیں ہیں؛ لیکن اس کے علاوہ ایرانیوں کے خلاف لڑی جانے والی جنگ میں امام حسن علیہ السلام شریک تھے اسی طرح جب معترضین نے عثمان کے گھر پر دھاوا بول دیا تھا تو امیر المومنین علیہ السلام کے حکم سے خلیفہ کے گھر کا دفاع کرنے والوں میں آپؑ پیش پیش تھے۔

اس کے علاوہ بھی بے شمار اہم مواقع پر امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے اپنے وجود کا لوہا منوایا۔ خود جمل اور صفین کی جنگوں میں بھی آپؑ کا بے مثال کردار رہا ہے، کیونکہ آپؑ کے کاندھوں پر بھاری ذمہ داریاں عائد تھیں۔ میں نے ان دونوں جنگوں (جمل اور صفین) کے واقعات میں امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا تذکرہ زیادہ، جبکہ امام حسین علیہ السلام کا تذکرہ کم دیکھا ہے۔ یعنی امام حسین علیہ السلام کے مقابلے میں امام حسن علیہ السلام نے زیادہ جنگوں میں حصّہ لیا ہے۔ جی ہاں! آپؑ ایک مجاہد انسان، مدبّر سیاستدان، فصیح و بلیغ خطیب، قوی شخص اور بحث و مناظرے کے ماہر تھے۔ انسان جب آپؑ کے مناظروں اور مباحثوں کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کیونکہ آپؑ کے فرمودات اور دلائل انتہائی سخت اور دوٹوک ہیں۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے معاویہ کے ساتھ صلح کے بعد ایسا دو ٹوک اور واضح موقف اپنایا کہ ایسے دو ٹوک اور چبھنے والے کلمات تو امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے بھی ادا نہیں کیے ہیں۔ دشمن کے مقابلے میں امیر المومنین علیہ السلام کے فرمودات میں ایسا دو ٹوک موقف بہت ہی کم دکھائی دیتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ امیر المومنین علیہ السلام کا سامنا ایسے بے شرم اور خبیث دشمن سے نہیں تھا، جس طرح کے دشمن کا امام حسن علیہ السلام کو سامنا کرنا پڑا۔ لہٰذا امام حسن علیہ السلام کے کام میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں تھی، اگر تھی تو وہ اس زمانے کی شرائط میں کمی تھی۔ امامؑ تو اپنی پوری طاقت کے ساتھ دفاع کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ جہاں تک ممکن ہو یہ بھی دشمن سے مقابلے کا ایک طریقہ ہے، کیونکہ بعض مواقع پر قدرتمندانہ اور مسلح قیام نقصان دہ ہو

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

سکتا ہے، اس لیے روش اور طریقہ کار میں تبدیلی لانا ایک بنیادی اور ضروری کام ہے۔

دوسرا طریقہ، تبلیغ: حق پرستوں کے نزدیک تبلیغ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، البتہ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ تبلیغ کے سلسلے میں حق پرستوں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں کیونکہ وہ تبلیغ کے سارے ذرائع سے استفادہ نہیں کر سکتے، بلکہ وہ صرف اور صرف حقائق کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ بعض دفعہ لوگوں کے ذہنوں میں کچھ چیزیں موجود ہوتی ہیں اور لوگ انہیں چاہتے بھی ہیں، ایسے موقع پر باطل قوتیں لوگوں کی خواہشات کے عین مطابق بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتی ہیں؛ لیکن حق پرست ایسا نہیں کر سکتے، وہ صرف حقائق بیان کرتے ہیں اگرچہ وہ لوگوں کے لیے تلخ ہی کیوں نہ ہوں۔ آپ دیکھیں کہ کبھی کبھار امیر المومنین علیہ السلام اپنے قریبی دوستوں کے ساتھ ایسے تلخ لہجے میں بات کرتے ہیں کہ انسان تعجب کرنے لگتا ہے اور ہم جیسے لوگ جو امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت کو اپنانا چاہتے ہیں، اس کے باوجود بعض موارد ہمارے لیے بھی تعجب انگیز ہیں۔

معاویہ کبھی ایسا نہیں کرتا تھا، بلکہ وہ لوگوں کی خواہش کے مطابق بات کرتا تھا۔ (کیونکہ) اس کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ کسی بھی طریقے اور کسی بھی قیمت پر لوگوں کی توجہ اور حمایت حاصل کرے۔ امیر المومنین علیہ السلام یہ کام نہیں کرتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ آپ کو ایسا کرنا آتا ہی نہ ہو، بلکہ آپؑ اس لیے لوگوں کی خواہش کے مطابق بات نہیں کرتے تھے کہ یہ تقویٰ اور دین کے اصولوں کے خلاف ہے۔

لہٰذا آپؑ فرماتے ہیں: ''لَوْلَا التُّقیٰ لَکُنْتُ أَدْھَی الْعَرَبِ''[1] اگر تقویٰ کی بات نہ ہوتی، اقدار کا لحاظ نہ ہوتا تو ایسے کاموں میں، میں معاویہ سے کہیں زیادہ چالاک ہوتا اور یہ حقیقت بھی ہے کیونکہ اگر آپؑ کی خاندانی بنیاد، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپؑ کے قدیمی اور قریبی تعلقات، آپؑ کے عظیم کارناموں اور آپؑ کی عظیم روح کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ معاویہ سے کہیں زیادہ زیرک اور ہوشیار تھے اور آپؑ بہت کچھ بھی کر سکتے تھے، لیکن حق آپؑ کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

۱۔ الکافی، ج۸، ص۲۴

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

اسلامی اقدار کا تحفُّظ

ایک اور طریقہ اقدار کی حفاظت پر تاکید ہے، یعنی حق پرستوں کے نزدیک جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور جس چیز کو وہ عملی طور پر بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، وہ ہر قیمت پر اقدار کی حفاظت کرنا ہے۔یہاں تک کہ اس حوالے سے انہیں ظاہری طور پر پیچھے ہی کیوں نہ ہٹ جانا پڑے۔ اس چیز پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے؛ یعنی حق پرست اگر یہ دیکھتا ہے کہ اس کے قیام سے پورے نظریے کو خطرات لاحق ہو سکتے ہیں تو پھر وہ عقب نشینی اختیار کر لیتا ہے اور وہ اس عقب نشینی میں عار بھی محسوس نہیں کرتا۔ جیسا کہ سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کا فرمان ہے:

''اَلْمَوْتُ خَيْرٌ مِنْ رُكُوْبِ الْعَارِ

وَالْعَارُ خَيْرٌ مِنْ دُخُوْلِ النَّارِ''[۱]

ذلت کی زندگی سے عزّت کی موت بہتر ہے اور جہنم میں جانے سے ذلّت کی زندگی ہی بہتر ہے۔

یعنی اگر مجھے ذلّت (شہادت کی مظلومانہ موت) کو قبول کرنا پڑے تو کر لوں گا کیونکہ یہ آتشِ دوزخ میں داخل ہونے سے کہیں بہتر ہے۔ بعض مقامات پر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بعض کاموں کو انجام دیتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہیں اور ان سے بچنے کے لیے غضب اور عذابِ الٰہی کو قبول کر لیتے ہیں۔ یہ شرم کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کو حاصل کرے اور اپنی ذمہ داری نبھائے، اگرچہ اسے اپنی بات، اپنے نظریے اور اپنے موقف سے پیچھے ہی کیوں نہ ہٹنا پڑے اور یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے ہو۔

آپ ملاحظہ کیجئے کہ یہ ائمہ معصومینؑ کی زندگی کا ایک بنیادی قانون ہے اور امام حسن مجتبیٰؑ کی زندگی میں بھی یہ چیز نمایاں نظر آتی ہے۔ امام حسنؑ ناموافق

۱۔ بحار الانوار، ج۷۵، ص۱۲۸

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

حالات کی وجہ سے معاویہ کے ساتھ صلح پر مجبور ہوئے، جبکہ اس وقت تک آپؑ مسلسل لشکر پر لشکر روانہ کر رہے تھے، لوگوں کو جنگ کے لیے تیار کر رہے تھے، لوگوں کو اپنے لشکر میں شامل کر رہے تھے اور خطوط پر خطوط لکھ رہے تھے۔ خلاصہ یہ کہ دشمن کے ساتھ جنگ میں جن کاموں کی ضرورت ہوتی ہے، انہیں مسلسل انجام دے رہے تھے لیکن جب آپؑ نے دیکھا کہ (ان حالات میں) آپؑ یہ جنگ جیت نہیں سکتے تو پھر آپؑ نے صلح کو قبول کر لیا۔ جس کی وجہ سے آپؑ کے بہت سے قریبی ساتھیوں نے آپؑ سے علیحدگی اختیار کر لی۔

جب امام حسن علیہ السلام نے صلح کی تو بہت سے لوگ دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے، کیونکہ وہ دل ہی دل میں اس جنگ سے خوش نہیں تھے، لیکن یہی لوگ جن کی اس صلح کے ساتھ دل کی مراد بر آئی تھی، امامؑ کی خدمت میں پہنچے اور آپؑ کو ناسزا کہنا شروع کر دیا، وہ کہنے لگے: آقا! آپؑ اپنے موقف سے کیوں پیچھے ہٹے؟ امام حسن علیہ السلام کے قریبی ساتھی، یہاں تک کہ بعض بزرگان بھی جن کا میں نام لینا نہیں چاہتا، جن کا شمار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے، وہ آئے اور آپؑ کو ناسزا کہتے ہوئے آپؑ کو طرح طرح کے بُرے القابات سے نوازنے لگے۔ لیکن آپؑ نے مکتب کی حفاظت کے لیے عقب نشینی اختیار کی۔

اگلا مرحلہ حق پرستوں کی اس تحریک کی شکست کا تجزیہ کرنا ہے۔ امام حسن علیہ السلام کی شکست کی اصلی وجہ اور علّت، عمومی سوچ و بصیرت کی کمزوری اور لوگوں کے ایمان کی مادی خواہشات کے ساتھ ملاوٹ اور آمیزش تھی۔ حق یہ ہے کہ عمومی سوچ اور فکر کے حوالے سے، اس وقت کے لوگ بالکل ناآگاہ اور جاہل تھے، لوگوں کے دینی عقائد بھی دُنیوی خواہشات کے ساتھ مخلوط ہو چکے تھے اور ان کی نظر میں اصل چیز مال و دولت تھی۔ صلح امام حسن علیہ السلام کے واقعہ سے کوئی دس پندرہ سال پہلے ہی (انسانیت کی) بنیادی اقدار آہستہ آہستہ کرکے متزلزل ہو چکی تھیں۔ ایک حد تک تبعیض اور ایک حد تک یہ چیزیں وجود میں آچکی تھیں اور یہ سب چیزیں موجب بنیں کہ امام عالی مقامؑ مقاومت نہ کر سکیں۔

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

لیکن فاتح گروہ کا مغلوب گروہ کے ساتھ رویّہ یہ تھا کہ انہوں نے امام حسنؑ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرکے جیلوں میں ڈالنے اور انہیں قتل کر دینے کے بجائے، جب اقتدار پر قابض ہوئے تو ظاہراً امام حسنؑ اور ان کے ساتھیوں کا احترام ملحوظ خاطر رکھا۔ انہوں نے امام حسنؑ کے ساتھ ملاقات کی اور اس دوران بھی آپؑ کے احترام کا خاص خیال رکھا گیا۔ لیکن معاویہ اور اس کے ساتھیوں نے دل میں یہ قصد کیا ہوا تھا کہ کسی بھی طریقے سے امام حسنؑ کی شخصیت کو کمزور کرکے ختم کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امام حسنؑ کا اس لیے احترام کرتے تھے کہ آپؑ کی شخصیت کو ختم کر سکیں اور ان کا یہی طریقہ تھا، جیسا کہ عرض کیا کہ انہوں نے اس بات کو اپنے پروپیگنڈہ مہم کا اصل محور قرار دیا تھا۔

لیکن مغلوب پارٹی نے فاتح پارٹی کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے اپنی پالیسی اور حکمتِ عملی اس طرح بنائی کہ اس فتنہ آمیز، گرد آلود، انتہائی خطرناک اور زہر آلود ماحول میں بھی حق کی اس تحریک کو منظّم کر سکیں اور اسے دینِ اسلام کے اصلی ستون کی مانند آگے بڑھا سکیں؛ کیونکہ وہ سوچ رہے تھے کہ اگر ہم پورے معاشرے کو صحیح اسلامی تعلیمات کی روشنی میں آگے لیکر نہیں جا سکتے، تو پھر ایسی صورتحال میں ایک لولی لنگڑی وسیع و عریض تحریک چلانے کے بجائے، چھوٹے پیمانے پر ہی صحیح ایک منظّم اور نظریاتی تنظیم بنائی جائے، تاکہ وہ باقی رہے اور دینِ اسلام کی بنیادی تعلیمات کی حفاظت کر سکے۔

اس کام کو امام حسنؑ نے انجام دیا۔ آپؑ نے محدود پیمانے پر ایک تحریک کا آغاز کیا یا دوسرے الفاظ میں ایک پارٹی کی بنیاد رکھی، جس کے ارکان ائمہ علیہم السلام کے اصحاب تھے۔ یہی تشیع کی تحریک ہی ہے کہ جس نے پوری تاریخ میں بدترین اور خطرناک حالات میں بھی آگے بڑھ کر دینِ اسلام کی بقاء کے لیے کردار ادا کیا ہے۔ اگر یہ تحریک نہ ہوتی تو پھر کب کا سب کچھ بدل چکا ہوتا۔ یہی امامت اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی تحریک ہی ہے کہ جس نے حقیقی اسلام کو بچا کر رکھا ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com/

Presented by: https://jafrilibrary.com/

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غلبہ پانے والے فاتحین اور طاقتور، محکوم اور مغلوب بن کر رہ گئے اور کمزور و ناتوان لوگ، دنیائے اسلام کے لوگوں کے ذہنوں اور دلوں پر حاکم و فاتح بن گئے۔ آج اگر آپ عالم اسلام کی ذہنیت اور اس کی سوچ کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ ان میں وہی ذہنیت پائی جاتی ہے جس کی ترویج امیر المومنین امام علی علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام کیا کرتے تھے۔ آج اس ذہنیت کے طرفدار مشکل سے ہی ملتے ہیں، جس کی ترویج معاویہ، یزید، عبد الملک بن مروان اور دوسرے خلفائے بنی اُمیہ کیا کرتے تھے۔ ان کی سوچ اور فکر شکست کھا کر مٹ چکی ہے اور اب تاریخ میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اگر ہم ان کی اس ذہنیت، ان کی سوچ و فکر کو کوئی نام دینا چاہیں، تو وہ یہ مٹھی بھر ناصبی ہیں۔

نواصب ایک فرقے کا نام ہے کہ عالمِ اسلام میں آج اس کا کوئی ظاہری وجود نہیں ہے۔ ناصبی وہی لوگ تھے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اطہار علیہم السلام کو نازیبا الفاظ سے یاد کرتے تھے اور انہیں مسلمان نہیں سمجھتے تھے۔ اگر معاویہ فاتح اور حاکم ہوتا تو آج عالمِ اسلام میں اس کی سوچ اور فکر کا دور دورہ ہوتا، لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے؛ بلکہ اس کے بالکل برعکس آج عالمِ اسلام پر امیر المومنین علیہ السلام اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی سوچ حاکم ہے؛ اگرچہ بعض فروعی مسائل اور کچھ عقائد جنہیں ثانوی حیثیت حاصل ہے بعینہٖ اصلی حالت میں منتقل نہیں ہوئے، لیکن مجموعی طور پر ان کی سوچ غالب ہے۔ بنابر ایں امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام فاتح ہیں اور آپؑ کی تحریک بھی کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہے۔ یہ پوری تاریخ اسلام پر صلحِ امام حسن علیہ السلام کے واقعے کے اثرات کے جائزے کا ایک خلاصہ تھا۔

(۲۲-۰۴-۱۹۸۹ء)

Presented by: https://jafrilibrary.com/